اکبر اور اقبال کی فکریاتِ فردا

محمد لقمان

Muhammad Luqman

Ph. D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Dr. Muhammad Arshad Ovaisi

Head, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Akber and Iqbal were great philosophers and classical poets of the Sub-Continent. Their political, social, cultural, economical, educational, moral and religious poetical work has the capacity to cope with the importunity of present and future. They stressed that experimental and practical knowledge is need of the time. They were in favour of innovations, inventions and flying in the air like falcon. They asserted that western democratic system is imperfect political system. This system corroborates the calonialism and dipotic rulers. They declared that Islam has complete political system for the entire world. This idealogy presented complete cure of political ailments and maladies. They emphasized that Islam is in the process of revelations in the present era. They spread the lesson of brotherhood, tolerance, social equity and justice. Their thoughts about classification, differentiation racial discrimination and economical unequity have

proved hundred percent correct. They gave a message in their poetry to prevent wickedness, obscenity and seduction. They presented the solution of social, psychological and economical issues and complications in mysticism and religion. They introduced the ideas of self respect, penury, piety and mendicancy in their poetry. Hundred years ago, they proved that universal and chearful values of Islam will be stimulating powers for amity, unity and prosperity.

اکبر اور اقبال کی حیثیت ایک معلم قوم، نظریہ ساز تعلیم اور ماہر تعلیم کے طور پر مسلّم ہے۔ انھوں نے اپنے تعلیمی افکار کے وسیلے سے اپنی قوم اور انسانی فکر کی تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔ وہ طالب علموں کے سامنے زندگی کا ایک واضح خاکہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مقاصد کے حصول کا لائحہ عمل بھی مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ اکبر اور اقبال ایسے عظیم معلم ہیں جو اپنی قوم کو جواں مردی، ہمت، کوششِ پیہم اور یقینِ کامل کی دولت سے مالا مال کر کے قومی سربلندی اور اعلیٰ ملی مقاصد کے حصول کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔ انھوں نے اسپائی نوزا اور افلاطون کے افکار کا بھی گہرا مطالعہ کیا اور ابن مسکویہ، امام غزالی، ابن خلدون، مولانا رومی اور شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے مسلم مفکرین کے پیش کردہ تعلیمی نظریات سے بھی فیض حاصل کیا۔ ان دونوں فکری چشموں سے سیرابی حاصل کر کے انھوں نے قوم کے لیے جو فلسفہ تعلیم پیش کیا وہ خودی کی تربیت کے ساتھ ساتھ طالب علم کو عہد حاضر کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اُن کی نظر میں سب سے زیادہ اہمیت علمِ دیں کو ہے کیوں کہ اس میں مذہب، خدا شناسی کے سب ذرائع، تفکر و تعقل اور مشاہدہ و تجربہ کے سب فنون یعنی حکمت (جس میں فلسفہ اور سائنس دونوں شریک ہیں) یکساں طور پر آ جاتے ہیں۔''(۱)

اقبال بر ملا کہتے ہیں کہ جدید مغربی تعلیم نے مسلمان نوجوان کا گلہ گھونٹ رہا ہے۔ اس کی زبان سے کلمہ توحید بلند ہو تو کیسے؟

گلا تو گھونٹ دیا ہے اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لاالہ الااللہ

مغرب کی تعلیم نے مسلمان نوجوانوں کو جدید تعلیم کے نام پر کفر و الحاد کی راہ پر گامزن کر دیا ہے۔ اقبال اس ضمن میں اپنے خیالات کا ظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اکبر اور اقبال نے دینی اور اخلاقی تربیت کو لازمی قرار دے کر سائنس و ٹیکنالوجی، صنعت و حرفت اور زراعت کے میدان میں کتابی علم کی بجائے عملی اور تجرباتی علم کی ضرورت پر زور دیا۔ تجربات کے بل بوتے پر نوجوانوں سے شاہینوں کی طرح ہواؤں میں اڑنے، مشینیں بنانے، نئی نئی ایجادات اور تخلیقات کے خواہش مند ہیں۔ ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے ان کے افکار طالب علموں کی زندگی میں بہتر سے بہتر کی تبدیلی اور خوب سے خوب تر کی تلاش کا جذبہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے پیش کردہ نظریات قوم کو جگانے، خفتہ صلاحیتوں کو جلا بخشنے اور عملی قوتوں کو بیدار کرنے میں مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے علمی افکار کی وساطت سے فرد کی بہتر تربیت کے خواہاں ہیں کیونکہ فرد کی تعلیم پورے معاشرے کی تعلیم و تربیت کی طرف پہلا قدم ہے۔ اکبر اور اقبال کا نظریہ تعلیم فرد اور معاشرہ، دونوں کو متحرک، خلّاق اور زندہ جاوید بنانے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ ڈاکٹر حسن اختر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اکبر علوم جدیدہ کے مخالف نہ تھے۔ وہ صرف درسی کتابیں پڑھ لینے اور دو چار فارمولے رٹ کر امتحان پاس کر لینے کو کافی نہ سمجھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہمیں ''پورا علم'' سکھایا جائے جو ہماری روح میں سرایت کر جائے اور ہمارے من میں اکسیر کا کام کرے۔ ہم کو فقیر نہیں غنی بنائے، لومڑی کی مکاری نہیں شیر کی قوت عطا کرے۔ دوسروں کا منہ تکنے کی بجائے خود رزق حاصل کرنے کا اہل بنائے جو مشینوں کو چلانا نہیں، بنانا سکھائے، جو موجدوں کے حالات سنانے کی بجائے ہم میں ایجادات کی صلاحیت پیدا کرے۔ جو غوطہ لگانا بھی سکھائے اور ابھرنا بھی۔''(۲)

اکبر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

انجن آیا نکل گیا زن سے
سُن لیا نام آگ پانی کا

بات اتنی سی اس پہ یہ طومار
غل ہے یورپ کی جانفشانی کا

علم پورا ہمیں سکھائیں اگر
تب کریں شکر مہربانی کا

اکبر اور اقبال کے سیاسی افکار کی تشکیل و ترتیب میں قرآن و حدیث نے اہم کردار ادا کیا۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات چونکہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے پیغام رشد و ہدایت ہیں لہٰذا اکبر و اقبال کے پیش کردہ سیاسی تصورات عصرِ حاضر اور عصرِ نو کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان شعرا نے امام غزالی، امام رازی، مولانا رومی، نظام الملک، ابنِ حزم اور ابن خلدون جیسے مشاہیر کے سیاسی افکار سے فیض حاصل کیا اور اپنی شاعری میں پیش کیا۔ الطاف حسین اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اسلام کے سیاسی نظام میں حکومت کا حق اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص ہے اور اقتدارِ اعلیٰ قرآن مجید کے احکام و اقدار کو حاصل ہے۔ بنا بریں علامہ ملوکیت اور ہر قسم کی غیر اللہ کی شخصی حکومتوں کو از روئے اسلام حرام تصور کرتے ہیں۔''(۳)

اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

تری حریف ہے اب سیاست افرنگ
مگر ہیں اس کے بچاری فقط امیر و رئیس

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

اکبر اور اقبال نے مغرب کے جمہوری نظام کو آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے ملوکیت اور استحصال کی صورت قرار دیا تھا اور آج ان کا پیش کردہ نظریہ اس امر کی تصدیق کرتا نظر آتا ہے کیونکہ پوری دنیا میں جہاں جہاں بھی مغرب کی استعماری طاقتوں کی حکومت ہے، انھوں نے وہاں نوآبادیات اور مطلق العنانی پر مبنی نظام کو استحکام بخشا ہے۔ آج عراق، شام، فلسطین اور یمن میں آگ اور خون کا ہولناک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ اس کے پس پردہ ان طاغوتی قوتوں کے ناپاک نوآبادتی عزائم کارفرما ہیں۔ اقبال نے اس نظام جمہوریت کو ''چہرۂ روشن'' اور ''باطن چنگیز سے تاریک تر'' قرار دے کر اس نظامِ ملوکیت کا پردہ چاک کیا ہے۔ اسی طرح اکبر کے بے شمار سیاسی قطعات اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ مغربی جمہوری نظام آج بھی دنیا کا ناقص ترین سیاسی نظام ہے۔ ''ارمغان حجاز'' کی نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' اس حقیقت کا بڑا ثبوت پیش کرتی ہے۔ اکبر اور اقبال کے پاس ایسا نظام فکر موجود ہے جو مشرق اور مغرب کے سیاسی امراض کا تیر بہدف علاج ثابت ہو سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اہلِ مشرق و مغرب، اکبر و اقبال کے پیش

کردہ سیاسی و جمہوری افکار و تصورات پر عمل پیرا ہوں۔ ان کی شاعری میں جس طرح مغربی ثقافت (European Culture) کے خلاف کل نفرت تھی آج بھی وہی کیفیت ان کے کلام میں موجود ہے۔ انھوں نے سیاسی مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں تلاش کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے مطابق:

> ''سامراجی حکمرانوں کا تو شیوہ ہی یہ ہے کہ وہ محکوموں کا استحصال کریں۔ ان کو سیاسی، اقتصادی، تعلیمی اور تہذیبی طور پر اس طرح پس ماندہ بنا دیں کہ آزادی اور خودمختاری کا تصور بھی ان کے ذہنوں سے نکل جائے لیکن حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ محکوم جو مٹ رہے ہیں یا جن کو مٹایا جا رہا ہے وہ کس خوشی میں جھوم رہے ہیں۔ شاید انھیں اپنی اپنی بربادی کا احساس ہی نہیں۔''(۴)

اکبر کو ہندوستان کے مسلمانوں کی غلامی و محکومی کا شدید احساس تھا۔ انھوں نے انگریزی استعمار کے لیے صیاد کا استعارہ استعمال کیا ہے اور محکوم ہندوستانیوں کے لیے طیور کا استعارہ برتا ہے۔ ان کے خیال میں انگریزوں نے ہندوستانی عوام کے لیے جو آئینی اصلاحات نافذ کی ہیں ان کے جال میں معصوم ہندوستانی خود بخود پھنستے جا رہے ہیں۔ ان کے خیال میں بلدیاتی اداروں سے لے کر مرکزی اور صوبائی کونسلوں کا پورا نظام ایک مضبوط استعماری جال ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اکبر نے سامراجی حکمت عملی اور ملکی سیاست کے نشیب و فراز کے بارے میں بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ محکومی کا تلخ احساس، سامراج کے ہتھکنڈے، ہندوستان کے پیچیدہ تر سیاسی مسائل اور ہندو مسلم تعلقات کا نازک سلسلہ، ان سب امور پر اکبر نے حکیمانہ نظر ڈالی ہے۔''(۵)

اکبر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

تڑپو گے جتنا جال کے اندر
جال گھسے گا کھال کے اندر
کیا ہوا تیں ہی سال کے اندر
غور کرو اس حال کے اندر

اکبر اور اقبال کے نزدیک مذہب انسانی فطرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب تک انسان اپنی Biology کے ساتھ اس کائنات میں موجود ہے، مذہب کا امکانی پہلو کبھی بھی غیر یقینی نہیں ہو سکتا۔ اکبر اور اقبال نے مذہب کے انکشافی پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی شاعری میں انسانی فطرت کے نئے امکانات کو اجاگر کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ان کے خیال میں انسان نے اس بے آب و

گیاہ دنیا کو آباد کر کے رونق ضرور بخشی ہے لیکن وہ فطری آفات کے سامنے بے بس ہے۔ لہٰذا پر امن دنیا کے لیے مذہبی تجربے کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

اکبر و اقبال کے عہد میں موجود سائنسی تصورات و انکشافات اور آج کی جدید سائنسی ایجادات و ترقیات میں بعدالمشرقین والمغربین پایا جاتا ہے۔ عمرانیات (Sociology) نے موجودہ دور کو مادے اور روح کے درمیان غیریت قرار دیا ہے۔ انسان فطرت کی نگرانی سے خارجی اور انسانی فطرت کے درمیان حائل غیریت کو دور کرتا ہے۔ اکبر اور اقبال کے خیال میں مذہب کا مستقبل اسی غیریت سے وابستہ ہے اور جب تک یہ غیریت موجود ہے، مذہبی جواز بھی قائم و دائم رہے گا۔ تصوف کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''صوفیانہ مشاہدات چونکہ براہِ راست ہی تجربے میں آتے ہیں لہٰذا ان مشاہدات کو دوسروں تک جوں کا توں پہنچانا ناممکن ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ فکر کی بجائے زیادہ تر احساس کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ لہٰذا صوفی یا پیغمبر جب اپنے مذہبی شعور کی تعبیر الفاظ میں کرتا ہے تو اسے قضایا ہی کی شکل دے سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا مشمول من وعن دوسروں تک منتقل کر سکے۔''(۶)

اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

اے مردِ خدا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی و محکومی و نومیدی جاوید
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد

اکبر اور اقبال کے پیش کردہ تصورات کی رو سے مذہب کے امکان کا دار و مدار اس تجربے اور زندگی پر ہے جسے مذہبی تجربہ کہتے ہیں۔ زندگی اس تجربے سے اپنا علم اور اپنے وجود کا شعور اخذ کرتی ہے۔ مذہب اپنے تجربے کی مدد سے حقیقت کو پانے اور اس کی شناخت کی جستجو کرتا ہے۔ ان شعرا کے نزدیک اسلام زمانہ حاضر میں انکشافات کے دور سے گزر رہا ہے اور اس کا مستقبل انکشافات کے مختلف مراحل کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

> ''ان کے کلام نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور اسلام کی سربلندی کے لیے صحیح حالات پیدا کیے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے افکار و خیالات نے مسلمانوں اور خصوصاً اس برعظیم کے مسلمانوں کے دلوں میں ایک قوم ہونے کا احساس پیدا کیا۔''(۷)

اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

روح اسلام کی ہے نور خودی ، نار خودی
زندگانی کے لئے نا ر خودی نور و حضور

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے 'فقرِ غیور'!

آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے مسلمان جدید مغربی تہذیب سے مغلوب ہو کر اپنے دینی عقائد سے بیگانہ ہو رہے تھے۔ اکبر اور اقبال نے مسلمانوں کو اسلاف کے سنہری کارنامے یاد دلا کر انھیں نشاۃِ ثانیہ کے لیے آمادہ کیا۔ آج کا مسلمان نوجوان اپنے دین سے بیگانہ ہو کر اغیار کے طریقوں اور کفر کی راہوں پر چل نکلا ہے۔ چنانچہ اکبر اور اقبال کے پیش کردہ مذہبی تصورات اس صدی کے مسلمانوں کو کفر والحاد سے دور رکھنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ اختر انصاری اکبر آبادی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی بھولی بسری روایات کو زندہ کر لیں اور ان کی ترتیب حیات انھی سیدھے سادھے انسانی اصولوں پر مبنی ہو جنھیں اسلام نے پیش کیا ہے اور جنھیں اختیار کر کے اہلِ عرب جیسی ناہموار قوم نے دنیا کی بساط الٹ دی تھی۔''(۸)

اکبر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

مغوی تو ملیں گے تمھیں شیطان سے بہتر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

اکبر مسلمانوں کی ترقی اور خوشحالی پر خوشی اظہار کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تلاوت قرآن کا درس بھی دیتے ہیں:

شکر ہے راہِ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآن بھی کبھی پڑھتے ہو

قرآن رہے پیش نظر یہ ہے شریعت
اللہ رہے پیش نظر یہ ہے تصوف

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''مغرب کی مادی ترقیات نے بعض لوگوں کے ذہنوں کو روحانیت کے بارے میں تشکیک میں مبتلا کر دیا تھا۔ مذہب کو دنیا کی ترقی و خوش حالی میں سنگِ گراں سمجھا جانے لگا تھا۔ اس صورتِ حال سے متاثر ہو کر نئی تعلیم یافتہ پود کے مذہبی

عقائد خاص طور سے متزلزل ہو رہے تھے۔''(۹)

اکبر راسخ العقیدہ مسلمان تھے اس لیے مذہب کی اس بے قدری پر وہ سخت اضطراب کا شکار تھے۔اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

صبر و خودداری ، دلیری ، حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہو گئے

اختر انصاری اکبر آبادی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''خدا ناشناسی، فسق و بے حجابی اور مغرب زدگی کا جو طوفان آنے والا تھا اس کو اکبر نے اسی وقت بھانپ لیا تھا۔جس خطرے کا انھوں نے اتا پتا دیا تھا اسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔''(۱۰)

حضرت اکبر مرے کس کام کے
ہیں تو مسلمان مگر نام کے

اکبر اور اقبال کے پیش کردہ تصورات کی روشنی میں معاشرے کے انسانی رشتوں کو از سرِ نو مرتب کیا جا سکتا ہے۔ ہر معاشرہ مختلف قسم کے ذہنی، نفسیاتی، اخلاقی اور معاشی مسائل کا شکار ہوتا ہے۔ ان شعرا کے پیش کردہ مفید تصورات سے ان حل طلب مسائل کا فوری اور دیرپا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔آج معاشرے کا غریب فرد طاقتور استحصالی قوتوں سے مغلوب ہو کر اپنی بنیادی ضروریات زندگی کو ترس رہا ہے۔اکبر اور اقبال کا پیش کردہ فلسفہ ان مظلوموں کو ان کے بنیادی حقوق دلانے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی طبقاتی تفریق، نسلی امتیاز اور معاشی عدم مساوات پر انھوں نے کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔انھوں نے اپنے پیش کردہ سماجی فلسفے سے معاشرتی عدل و انصاف ، رواداری اور مساوات کا درس دیا ہے۔ اقبال کی تصنیف کردہ کتاب ''علم الاقتصاد'' سے معاشرے کے معاشی مسائل کے حل میں مدد لی جا سکتی ہے۔اسی طرح اکبر کے معاشی تصورات بھی ملکی معیشت کی ترقی اور خوش حالی کا باعث بن سکتے ہیں۔ڈاکٹر سعادت سعید اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''مغرب نے فقط مادی نظریات کے مظاہر کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا اور اس کے قوانین کا ادراک کرنے کے بعد اس کو زیادہ تر مادی حیثیت سے غیر معمولی طاقت بخشی۔اس اقتدار اور تسخیر سے سرشار ہو کر اس نے علمی اور عملی طور پر یہ نظریہ حیات قائم کر لیا کہ عالم مادی یا عالم محسوسات ہی حیثیتِ کل ہے۔''(۱۱)

اکبر اور اقبال کے فکری پیغامات پر غور کرنے کے بعد اگر ہم انسانی ذہن کی مختلف جہتوں اور سمتوں کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں تو بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ پہلے معاشرہ کم از کم ایک صدی تک اکبر اور اقبال کے پیش کردہ تصورات کے برعکس مادیت اور عقلیت پر مبنی سماجی نظام کی طرف بڑھتا رہے

گا۔ اس معاشرے میں اخلاقی، روحانی اور وجدانی قدروں کا کوئی وجود نہیں ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ گزشتہ پچاس سال کی سائنسی مادی ترقیوں اور عملی تجربات و معجزات کے سامنے ہمارا معاشرہ سرِ تسلیم خم کر چکا ہے۔ اکبر اور اقبال کے پیش کردہ سماجی تصورات بے وقعت ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان تصورات کی تجدید نو کی اشد ضرورت ہے۔

اکبر اور اقبال نے آج سے ڈیڑھ صدی قبل جو سماجی اور معاشرتی افکار پیش کیے تھے۔ وہ اس عہد کی سماجی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر کیے تھے جبکہ اب سماج کے تقاضے بدل چکے ہیں۔ ان شعرا کے پیش کردہ افکار و نظریات کو موجودہ معاشرے کے تناسب سے پرکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ موجودہ عہد میں لوگوں کے رہن سہن، عادات و اطوار، تعلیم اور فکر میں عہد قدیم کی نسبت واضح تبدیلی آ چکی ہے۔ لہٰذا ان تصورات کی عہدِ جدید کی مناسبت سے توضیح ضروری ہے۔

اکبر اور اقبال کے عہد میں انگریزی غلبے نے نوجوان طبقے کو خصوصاً متاثر کیا۔ نوجوان انگریزی لباس، وضع قطع، زبان اور دیگر سماجی سرگرمیاں اپنانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ ان شعرا نے ہندوستانی معاشرے میں مغربی تہذیب کے برے اثرات پر خوب تنقید کی اور نوجوانوں کو اس کے مضر اثرات سے بچانے کی کوشش کی۔ اکبر اور اقبال کے پیش کردہ سماجی تصورات آج کے نوجوان کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ آج کا نوجوان مغرب کی طرف سے الیکٹرانک آلات کی صورت میں پھیلائی جانے والی گمراہی کا بری طرح شکار ہو چکا ہے۔ اکبر اور اقبال کے افکار آج بھی اتنے ہی مفید ہیں لیکن ان تصورات پر عمل پیرا ہونے کی اشد ضرورت ہے۔ تبسم نظامی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اکبر نے حال و مستقبل پر خندہ زنی کی اور مغرب زدہ نوجوانوں کو طنزیہ پیرایہ میں ہشیار کیا۔ انھوں نے مغرب کے دلدادہ نوجوانوں سے شکوہ کیا ہے کہ وہ دہریت کی طرف کیوں جا رہے ہیں اور خدا رسول کو کیوں دل سے محو کیے دیتے ہیں۔ وہ ان ملحدانہ خیالات ہی کے مخالف نہیں تھے بلکہ مشرقی روایات کو مٹانے والوں سے بھی سخت اختلاف تھا۔''(۱۲)

جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائیں گے تو کیا ہو گا
خدارا اِک نظر اس سین کا کرتے تو نظارا
(اکبر)

تمھیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر
(اکبر)

تمھاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمھاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آنیں تھیں
تمھارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمھی تم تھے زمانے میں تمھاری داستانیں تھیں
غرور ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
(اکبر)

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کُچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہانگیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
(اقبال)

اکبر اور اقبال نے اسلام، تاریخ اسلام اور اسلامی تمدن کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے مغرب کی تہذیب کو بھی قریب سے دیکھا تھا۔ انھوں نے عورتوں کی بلا جواز آزادی اور بے حیائی پر کھل کر تنقید کی۔ آج الیکٹرانک میڈیا پر پیش کیے جانے والے ''کلچرل''، ''فیشن شو''، ''مارننگ شو''، ''نائٹ شو'' اور ''فلمی ایوارڈ شو'' میں جس قسم کی اخلاق سوزی اور برہنگی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ اکبر اور اقبال کے افکار سے استفادہ کر کے اس بے حیائی اور فحاشی کا سدِ باب ممکن ہے۔ لہٰذا ان شعرا کے پیش کردہ اصلاحی افکار کی مدد سے معاشرے کی بے شمار خرابیوں کا علاج تجویز کیا جا سکتا ہے۔ الطاف حسین اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''جنسی بے راہ روی اور شرم و حیا کے فقدان نے مغربی مدنیت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ مغربی معاشرے میں حلال اور حرام کا تصور غائب ہے۔ مغرب میں خمریات اور منشیات کا استعمال جو دل و دماغ پر تباہ کن اثرات مرتب کرتے ہیں، مرد و زن میں عام ہے اور اس کو قطعاً معیوب نہیں سمجھا جاتا۔'' (۱۳)

اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر ، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو ، دیتے ہیں تعلیم مساوات

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

اکبر اور اقبال نے اپنے عہد کے مخصوص حالات و واقعات کے پیشِ نظر اپنی قوم کے دکھوں اور مسائل کو اپنے افکار میں پیش کیا۔ آج کا فرد جن مسائل کا شکار ہے اس کا علاج بھی انھوں نے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ آج انسان معاشرتی، معاشی اور نفسیاتی مسائل کے سبب جس روحانی کرب سے گزر رہا ہے۔ اس کا علاج ان شعرا نے تصوف اور مذہب میں تلاش کرنے کی تجویز دی۔ انھوں نے بار بار خودی، فقر، قناعت اور درویشی کے تصورات پیش کر کے موجودہ عہد کی مادہ پرستی اور ہوس زر سے کنارہ کشی کا درس دیا ہے۔

انسان نے خارجی دنیا کو سنوار کر جنت تو بنا دیا ہے لیکن اندرونی دنیا کو غیر آباد کر دیا ہے۔ انسان کے باطنی مسائل کا حل مادی ترقی، معاشی خوش حالی اور سائنسی ایجادات و اختراعات کے پاس ہر گز نہیں ہے۔ ترقی کے سفر کے ساتھ انسان کا باطنی کرب و اضطراب بڑھتا جا رہا ہے۔ انسان نے چاند کو تسخیر کر لیا، ستاروں پر کمندیں ڈال لیں، خلا کو سیٹلائٹ کے ذریعے زیر کر لیا اور ہوا میں اڑانیں بھرنے کے باوجود آج خود سے بیگانہ ہے۔ وہ حیات و کائنات پر نظر ڈال کر اپنی اندر کی وسیع دنیا کو فراموش کر چکا ہے۔ اکبر اور اقبال فرد کو اپنے من میں ڈوب کر سراغِ زندگی پانے، تخلیقی قوتوں، روحانی طاقتوں اور باطنی ممکنات پر بھروسہ کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ آج تمام آسائشوں کے باوجود انسان روحانیت اور تصوف کے دامن میں پناہ ڈھونڈ کر سکون حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اکبر اور اقبال نے اس حقیقت کو آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے اپنی شاعری میں بیان کر دیا تھا۔ ڈاکٹر محمد آصف اعوان اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''جب وہ اس تہذیب کے باطن میں جھانک کر دیکھتے ہیں تو سوائے یاس و نومیدی اور تاریکی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس تہذیب نے ''بجلی کے چراغوں'' سے اپنے ظاہر کو تو روشن کر لیا مگر اس کی باطنی گندگی اسی طرح برقرار رہی۔''(۱۴)

اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
تغیر آ گیا ایسا تدبر میں، تخیل میں
ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی

اکبر اور اقبال کے عہد سے لے کر آج ہم جتنا سفر طے کر چکے ہیں ان کے فکری اور فلسفیانہ تصورات فعال، مؤثر اور محرک قوت کے طور پر اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ انھوں نے پیش گوئی کی تھی کہ اشتراکیت، اشتمالیت اور مغربی جمہوریت سے بیزار ہو کر انسانیت ایک دفعہ پھر اسلام کے تمدنی اور آفاقی

نظام کی آغوش میں پناہ لے گی۔ ماضی میں روس کا اشتراکی نظام پاش پاش ہوا اور آج وہاں بیسیوؤں اسلامی ریاستیں وجود میں آ چکی ہیں۔ یورپ، امریکہ، افریقہ، کینیڈا اور آسٹریلیا میں اسلامی اقدار کے فروغ اور اسلامی رجحانات میں بے تحاشہ اضافے نے ان ممالک کی حکومتوں کی نیندیں اُڑا دی ہیں۔ مغرب کے سیاسی، سماجی، معاشی اور جمہوری نظام ہمارے سامنے اپنے ہی خنجر سے خودکشی کر رہے ہیں۔ وہ دن اب دور نہیں ہیں کہ اکبر اور اقبال کے پیش کردہ تصورات کی روشنی میں مغرب کی قوت ختم ہو جائے گی اور دنیا رہنمائی اور نجات کے لیے برصغیر پاک و ہند کا رخ کرے گی۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آفاقی اور زندہ جاوید قدریں محرک قوت بن کر اتحاد و یگانگت، معاشرتی اور معاشی خوش حالی کا باعث ہوں گی۔

تھے تو آبا وہ تمھارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو
(اقبال)

یہی خصائل یہی طبیعت رہی تو قسمت یہی رہے گی
زمانہ بدلے گا بھی تو پھر کیا ہماری حالت یہی رہے گی
(اکبر)

مولانا عبدالماجد دریا آبادی اس حوالے سے اپنی رائے پیش کرتے ہیں:

''اکبر کا پیام تقریباً وہی تھا جو اقبال کا تھا یعنی خودی اور خودداری کا سبق۔ مشرقی کو مشرقی اور مسلمان کو مسلمان رہنے کی تلقین۔ راہیں الگ تھیں لیکن منزل دونوں کی ایک۔ ایک چہروں کو ہنساتا ہوا چلا، دوسرا دلوں کو گرماتا ہوا بڑھا۔''(۱۵)

اختر انصاری اکبر آبادی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''دونوں نے قوم کو ایک ہی پیغام دیا اور دونوں کا مقصد افرادِ قوم کو عصر حاضرہ کے فریب مغرب سے محفوظ کرانا اور اپنے شعار و تہذیب کی حفاظت سے کھوئے ہوئے وقار کو پانا اور غلامی سے نجات حاصل کرنا تھا۔ اکبر نے منفرد و مخصوص اسلوب و انداز میں مغربی تہذیب کے گندے اثرات کو عوام پر واضح کر کے لطیف پیرایہ میں اصلاح کا پیام دیا۔''(۱۶)

اکبر اور اقبال نے بندہ مزدور اور سرمایہ دار کے بارے میں جو نظریات پیش کیے تھے، آج وہ معاشی تصورات سو فی صد درست ثابت ہو رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کی صدا بلند کی تھی۔ آج ملوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور، سرمایہ داروں کی حیلہ گری سے تنگ آ کر اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ انھوں نے ڈیڑھ صدی پہلے سرمایہ اور محنت کی کش

مکش کا صحیح اندازہ لگا کر یہ فیصلہ دیا تھا کہ آنے والے دنوں میں مذہبی، سیاسی، سماجی اور معاشی استحصال کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ مزدوروں اور کارکنوں کو اپنے حقوق کے حصول کا اس قدر احساس ہو چکا ہے کہ امریکہ اور یورپ میں نوجوان نسل مزدوروں اور کارکنوں کے حقوق کی حمایت میں علم بلند کیے ہوئے ہے۔ اکبر اور اقبال نے یورپ کے تہذیبی پس منظر کا جائزہ لیا تو انھیں ہوس زر، استحصال، تاجرانہ اور استعمارانہ ذہنیت جیسے محرکات نظر آئے جو یورپ کو تباہی کے دہانے پر لا چکے تھے۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''انگریزی سرمایہ دارانہ نظام جس میں انسان کی شرافت و اخلاق دولت و سرمایہ کے ترازو پر تلتا ہے اور جہاں انسانی اخلاقی قدروں کا کوئی پاس نہیں، اکبر کو پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا۔''(۱۷)

خالد منظور چودھری اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اسلام میں سرمایہ اور ملکیت خدا کی امانت ہیں۔ وسائل دولت آفریں پر نہ فرد کو تصرف کا حق حاصل ہے، نہ جماعت کو بلکہ خدا کو۔ انسان جوں جوں ترقی کرتا جائے گا ذاتِ باری تعالیٰ کو اپنا مقصود بنا کر معاشی ارادوں میں بھی تبدیلی کرتا رہے گا۔''(۱۸)

اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

رازدان جزو کل از خویش نا محرم شد است
آدم از سرمایہ داری قاتل آدم شد است
ز مزد بندہ کرپاس پوش و محنت کش
نصیب بندہ ناکردہ کار رخت حریر

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیامِ کائنات
اے کے تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تری برات
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائی سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اکبر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

لفظ تاجر خود ہے اے اکبر
دیکھ لو تاجر کے ، سر پر تاج ہے
کیوں دولت وقوت کی ہے کمی اس کے تو سبب پیچیدہ ہیں
کچھ اس کو سمجھ سکتے ہیں وہی بوڑھے جو زمانہ دیدہ ہیں

مسلمانوں کے تہذیبی زوال اور سیاسی انحطاط کا اکبر اور اقبال کو بے حد رنج تھا۔ مسلمانوں کے ناگفتہ بہ حالات کو سنوارنے کی فکر ہمیشہ انھیں دامن گیر رہی۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشی حالات سنوارنے کی بھرپور کوشش کی۔ اکبر نے طنزیہ اور مزاحیہ انداز اپنا کر مسلمانوں کو اپنی روش بدلنے کی تجویز دی تو اقبال نے سنجیدہ اور حکیمانہ انداز فکر اپنا کر ان کو روشن مستقبل کی نوید سنائی۔

حوالہ جات

۱۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، مسائل اقبال، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۷۴ء، ص: ۸۰
۲۔ حسن اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اور تحقیقی جائزے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء، ص: ۱۱۱
۳۔ الطاف حسین، اقبال اور اسلامی معاشرہ، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۱۰
۴۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، بزمِ اکبر سے بزمِ اقبال تک، لاہور: بزمِ اکبر، ۲۰۰۹ء، ص: ۹۰
۵۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مطالعہ اکبر، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۷
۶۔ اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، مترجم: سید نذیر نیازی، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۵۸ء، ص: ۳۰
۷۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اقبال احوال وافکار، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۷ء، ص: ۱۹
۸۔ اختر انصاری اکبر آبادی، لسان العصر، کراچی: بزمِ اکبر، ۱۹۵۱ء، ص: ۱۱
۹۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مطالعہ اکبر، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۳ء، ص: ۴۳
۱۰۔ اختر انصاری اکبر آبادی، اکبر اس دور میں، کراچی: بزمِ اکبر، ۱۹۵۲ء ص: ۱۰۹
۱۱۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، اقبال شناسی اور مجلّہ ساہی وال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۹ء، ص: ۱۲۴
۱۲۔ تبسم نظامی، تذکرہ اکبر الہ آبادی، بمبئی: مکتبہ سلطانی، ۱۹۴۸ء، ص: ۵۵
۱۳۔ الطاف حسین، اقبال اور اسلامی معاشرہ، ص: ۱۳۶
۱۴۔ محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، مغربی تہذیب کے مشرقی نقاد، لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۱۶ء، ص: ۲۰۱
۱۵۔ عبدالماجد دریا آبادی، اکبر نامہ، کلکتہ: ادارہ انشائے ماجدی، ۲۰۰۸ء، ص: ۲۹۴
۱۶۔ اختر انصاری اکبر آبادی، لسان العصر، ص: ۱۵۔۱۴
۱۷۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، اکبر میری نظر میں، مشمولہ: اکبر اس دور میں، مرتبہ: اختر انصاری اکبر آبادی،

ص:۱۵۵

۱۸۔ خالد منظور چودھری، اقبال کے معاشی افکار، مشمولہ: اقبال شناسی اور افشاں، مرتبہ: بیدار ملک، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء، ص:۴۷۔۷۳

☆.....☆.....☆